محمد اکرام چغتائی

علامہ اقبال کا ایک نایاب مکتوب گرامی

بنام : شیخ الازہر، قاہرہ

ہندو معاشرے میں ذات پات کا نظام صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ اس عرصے میں بہت سی مخالف ہوائیں چلیں، متعدد اصلاحی اور مذہبی تحریکوں نے لوگوں کو اس نظام کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوششیں کی، لیکن اس کی بنیادیں اس قدر مستحکم تھیں کہ اتنی شدید مزاحمت کے باوصف اس غیر انسانی نظام کی عمارت زمین بوس نہ ہو سکی۔ اگر غور دیکھا جائے تو ہندو معاشرے کے لیے اس نظام نے ایک ایسا مضبوط اور بلند و بالا حصار مہیا کر دیا، جس میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستے مسدود دکھائی دیتے ہیں۔ نسل انسانی کی اس قلعہ بندی نے ہندوؤں کے معاشرتی خصائص کو تو کسی حد تک قائم رکھا، لیکن اس کے اندر رہنے والوں کو جن مصائب سے گزرنا پڑا، ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تاریخ اس ماتم سے شاید کبھی فارغ نہ ہو سکے کہ برصغیر پاک و ہند کی آزادی تک، پورا انسانی معاشرہ اس نظام کے جبر سے کراہتے ہوئے کروڑوں بے بس اولادِ آدم کی چیخ و پکار سنتا رہا لیکن ذات پات کے ذلت آمیز برتاؤ سے غریبوں کو نجات نہ دلا سکا۔ بے شبہ تاریخ میں اس ظلم کے خلاف آوازیں بھی بلند ہوتی رہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ آوازیں غیر موثر رہیں۔

ایسی ہی ایک آواز ۱۹۳۵ء میں متحدہ ہندوستان کی ایک بہت بڑی آبادی کے، جسے اچھوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک سرکردہ لیڈر کی جانب سے بلند ہوئی۔ یہ آواز اچھوتوں کی نامور سیاسی شخصیت ڈاکٹر بھیم راؤ رام جی امبیدکر (۱۸۹۱ء - ۱۹۵۶ء) کی آواز تھی، جس نے اس طبقے میں اجتماعی طور پر سیاسی بصیرت، شعورِ ذات اور ذہنی

بیداری کی ایک لہر دوڑادی اور نتیجتاً یہ طبقہ بھی سیاسی محاذ پر ایک قوت بن کر سامنے آگیا۔

ڈاکٹر امبیدکر کے تفصیلی حالات زندگی اور ان کے سیاسی کارناموں کو اُن کے انگریزی[1] اور مرہٹی[2] سوانح نگاروں نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہاں اتنا ہی بتادینا کافی ہوگا کہ ڈاکٹر موصوف ایک اچھوت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، لیکن وہ اعلیٰ تعلیمی خوبیوں کے مالک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُنھیں اُن بے انصافیوں اور زیادتیوں کا شدید احساس تھا جو ہندو معاشرہ صدیوں سے ان کے ہم ذات افراد پر کر رہا تھا۔

چنانچہ امبیدکر نے ہندوستان واپس آتے ہی اچھوتوں کی معاشرتی سطح کو بلند کرنے اور ان کو بنیادی انسانی حقوق دلانے کے لیے تگ و دو شروع کردی۔ ان کی خواہش تھی کہ اچھوت اپنے مسائل اور مطالبات کے لیے کسی اور کے محتاج نہ ہوں اور اُنھیں اپنی بکھری ہوئی قوت کو مجتمع کرکے خود ہی اپنے مسائل حل کرنا چاہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے جداگانہ انتخابات کی پرزور حمایت کی لیکن کانگریس کے زعما اور مہاتما گاندھی نے ڈاکٹر امبیدکر کے سیاسی مطالبات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا، بلکہ ان کے خلاف مرن برت بھی رکھا۔ بالآخر مہاتما گاندھی اور امبیدکر کے مابین ۲۴۔ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک سمجھوتہ طے پایا، لیکن یہ سمجھوتہ سیاسی امور تک محدود تھا، جب کہ ذات پات کے مسئلے پر یہ دونوں رہنما کوئی متفقہ لائحہ عمل تلاش نہ کرسکے۔

جب امبیدکر اور گاندھی جی کے متذکرہ بالا معاہدے کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو بالآخر ڈاکٹر امبیدکر نے ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ضلع ناسک (Nasik) کے ایک شہر Yeola میں منعقد ہونے والی اچھوت کانفرنس میں یہ اعلان کردیا کہ وہ عنقریب ہندومت ترک کردیں گے اور کسی ایسے مذہب کو اختیار کرلیں گے جو انھیں اور اُن کے ہم ذات لوگوں کو ذات پات کے اس چنگل سے آزاد کردے۔ امبیدکر کی اس تاریخی تقریر کے کچھ حصے اس دور کے انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئے۔ اس تقریر کا مکمل متن S. R. Kharat نے اپنی مرہٹی کتاب میں دیا ہے[3] ذیل میں اس تقریر کا متعلقہ حصہ درج کیا جارہا ہے:

"We shall cease our fight for equality where we are denied it. Because we have the misfortune of calling ourselves Hindus, we are treated thus. If we are members of another Faith, none would dare treat us so. Choose any religion which gives you equality of status and treatment. We shall repair our mistake now. I had the misfortune of being born with the stigma of an Untouchable. However, it is not my fault, but I will not die a Hindu, for this is in my power."

اپنی تقریر کے آخر میں ڈاکٹر امبیدکر نے اچھوتوں کو یہ تلقین کی کہ وہ فی الحال اپنی دیگر تحریکوں اور مطالبوں کو پس پشت ڈال دیں اور متحد ہو کر اپنے انسانی حقوق کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی عوام الناس کو یہ احساس دلائیں کہ اچھوت ایک الگ قومیت سے تعلق رکھتے ہیں اور انھیں یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ بھی اس دھرتی پر آزادی کا سانس لے سکیں۔[۴]

ڈاکٹر امبیدکر کی اس تقریر نے ہندوستان کے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ہندو تبدیلِ مذہب کے اس اعلان سے سخت پریشان تھے اور انھیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں اتنی بڑی اکثریت ان کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے اس تقریر کے حوالے سے ۱۵۔ اکتوبر کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو جو انٹرویو دیا، اس میں اچھوتوں کی سماجی بدحالیوں کو تو تسلیم کیا گیا، لیکن تبدیلِ مذہب کے بارے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ مذہب کوئی گھر یا کوٹ نہیں، جس کو جب چاہا، تبدیل کر لیا۔[۵]

ڈاکٹر امبیدکر کے تبدیلیٔ مذہب کے اعلان نے جہاں ہندوؤں کو مستقبل کے خطرات کے سبب تشویش میں مبتلا کر دیا، وہاں دیگر مذاہب کے پیروکاروں، حتیٰ کہ بعض مذہبی فرقوں نے اچھوتوں کو اپنے مذہب یا مسلک میں شامل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اس ضمن میں بعض مسلمان انجمنوں کے اہل کاروں نے سب سے زیادہ سرگرمی کا ثبوت دیا۔ امبیدکر کی تقریر سے تقریباً ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۱۔ اکتوبر کو مولانا محمد عرفان خلافت

کمیٹی کے نمائندے کی حیثیت سے انھیں ملے۔ ان کے ہمراہ سید عزیز الرحمن بھی تھے۔ ان اصحاب نے امبیدکر کو اسلام کی غیر طبقاتی تقسیم، مساوات اور رنگ و نسل کی تمیز کیے بغیر لوگوں کی خدمت جیسی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرایا اور انھیں دعوت دی کہ وہ اور ان کے تمام ہم ذات افراد جونہی دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے، انھیں یہ تمام مراعات خود بخود حاصل ہو جائیں گی اور وہ ہر مسلمان کی طرح آزادی کے ساتھ سانس لے سکیں گے، نیز سیاسی اعتبار سے مزید مستحکم ہو جائیں گے۔ جواباً امبیدکر نے ان علما کو بتایا کہ تبدیلی مذہب جیسے اہم مسئلے کو وہ ذاتی طور پر حل نہیں کر سکتے اور وہ اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، اس میں ان کے ساتھیوں کا مشورہ ضرور شامل ہوگا۔

امبیدکر سے رابطہ قائم کرنے والی ایک جماعت بمبئی کی "جمعیت شبّان المسلمین" بھی تھی، جس نے انھی دنوں لاہور کے نومسلم قانون دان خالد لطیف گابا کو بذریعہ تار بلایا تاکہ وہ آکر امبیدکر سے بالمشافہ گفتگو کر سکیں۔ گابا نے اس ضمن میں علامہ اقبال سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ ہدایت کی کہ وہ اور مولانا محمد عبداللہ قصوری (جمعیت دعوت و تبلیغ) فوراً بمبئی روانہ ہو جائیں۔ (بحوالہ "انقلاب" بابت ۲۲ - اکتوبر ۱۹۳۵ء)۔ بمبئی ہی کی مجلس احرار کے ایک اجلاس (منعقدہ ۲۰، اکتوبر) میں، جس کی صدارت چوہدری افضل حق نے کی، اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ مبلغین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اچھوتوں کی بستیوں میں جا کر اسلام کی تعلیمات کا پرچار کرے۔ اس کمیٹی کے لیے ان ارکان کو منتخب کیا گیا: سید سلیمان ندوی (یوپی)، ڈاکٹر محمد اقبال (پنجاب)، مولانا مفتی کفایت اللہ (دہلی) مولانا سید حسین احمد مدنی (یوپی)، مولانا محمد علی قصوری (بمبئی)، خالد لطیف گابا (پنجاب) اور مولانا شوکت علی (بمبئی)۔[۶]

علمائے دین اور تبلیغی اداروں کے علاوہ اس مہم میں مسلمان پریس نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ "مدینہ" (بجنور) نے اپنے ایک شمارے (بابت یکم نومبر ۱۹۳۵ء) میں مسلمانوں پر زور دیا کہ انھیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اچھوتوں کو دائرۂ اسلام میں لانے کی کوششیں جاری رکھنا چاہییں اور اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے لیے ایک عمومی کونسل

بھی تشکیل دینی چاہیے، جس میں مختلف صوبوں کے نمائندے شامل ہوں اور وہ وفد کی شکل میں امبیدکر سے ملاقات کریں اور انھیں اسلام میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔

روز نامہ "انقلاب" (بابت ۱۸، اکتوبر ۱۹۳۵ء) رقم طراز ہے کہ "اچھوت اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں، یہ ہم محض اس بنا پر نہیں کہتے کہ اسلام ہمارا اپنا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک یہ دین و دُنیا میں فلاح کے حصول کا واحد ذریعہ ہے بلکہ اس لیے بھی کہتے ہیں کہ کلمہ توحید کے اقرار کے ساتھ ہی اچھوتوں کے لیے کامل مساوات کا دروازہ کھلیں اور نہیں کھل سکتا"۔

اس دوران میں جب ڈاکٹر امبیدکر کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا کہ "میں نے ایک مذہب قبول کر لیا ہے، لیکن ابھی اس کا نام نہیں بتانا چاہتا" (بحوالہ "انقلاب" بابت ۲۶، اکتوبر ۱۹۳۵ء) تو پورے ملک کے پریس میں امبیدکر کی قرارداد کی موافقت اور مخالفت میں مضامین اور اداریے لکھے جانے لگے۔ چنانچہ چند ماہ بعد بیرونی ممالک، مشرق وسطیٰ اور مصر کے ممالک تک اطلاعات پہنچنا شروع ہو گئیں کہ ہندوستان میں اچھوتوں کی بہت بڑی تعداد کے راہنما تبدیل مذہب کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہے ہیں۔

مصر کے اخبارات مثلاً ہفت روزہ الفتح، روز نامہ البلاغ اور الاہرام میں اچھوتوں کے ارادۂ تبدیلیٔ مذہب کے بارے میں رپورٹوں کی اشاعت شروع ہوئی اور وہ بھی زیادہ تر روز نامہ "البلاغ" میں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس اخبار کا اپنا ایک نمائندہ بمبئی میں مقیم تھا اور وہ اپنے اخبار کو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے حالات پر مبنی رپورٹیں ارسال کرتا رہتا تھا۔ اس نمائندے کی ایک رپورٹ "البلاغ" کے ۱۴ جون ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور یہ اس نے بمبئی سے ۶۔ جون کو روانہ کی تھی۔ اس میں یہ خبر دی گئی کہ اس دفعہ عید میلاد النبیؐ کی مبارک تقریبات میں بہت سے نومسلم اچھوتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر مہاتما گاندھی کے بیٹے ہیرا لال نے بھی تقریر کی، جس نے اس سال ۲۹ مئی کو اسلام قبول کیا تھا اور اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا تھا۔

اسی سال یعنی ۱۹۳۶ء میں "الاہرام" کو بھی کلکتہ سے ایک مفصل رپورٹ ملی جو ۱۸ جون

کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس رپورٹ میں یہ بتایا گیا کہ مہاتما گاندھی کا ایک پیروکار پنڈت گزدھم اپنے بارہ سو ساتھیوں سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا ہے۔

مصری اخبارات میں ان رپورٹوں کی اشاعت نے عوام الناس میں تبلیغ دین کے لیے ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کردیا اور وہاں کے علما و مبلغین، اربابِ فکر و دانش اور متعدد شخصیات نے ہندوستانی مسلمانوں کے تعاون سے اچھوتوں کو دائرۂ اسلام میں شامل کرنے کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنا شروع کردیا، چنانچہ فوراً ایک کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا، جو جمعیت شبان المسلمین (بمبئی) کے اشتراکِ عمل سے کام کرے گی۔ اس کمیٹی کے صدر شہزادہ عمر طوسون مقرر کیے گئے۔ علاوہ ازیں جامعہ الازہر کے ریکٹر (شیخ الاہر) نے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں ہندوستان کی بعض علمی شخصیات اور تبلیغی اداروں سے رجوع کریں گے اور اگر ممکن ہوسکا تو ایک خصوصی وفد بھی ہندوستان بھیجیں گے تاکہ صحیح صورت حال کا موقع ہی پر جائزہ لیا جاسکے (بحوالہ "البلاغ" بابت ۱۷ جون ۱۹۳۶ء)

جب مصری اخبارات میں اچھوتوں کے بارے میں ہندوستان سے آمدہ اطلاعات شائع ہو رہی تھیں، ان دنوں جامعہ الازہر کے ریکٹر محمد مصطفیٰ المراغی تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی اس عہدے پر فائز تھے (سنہ تقرر مئی ۱۹۲۸ء)، لیکن انھیں بعض وجوہ کے باعث اکتوبر ۱۹۲۹ء میں مستعفی ہونا پڑا۔ چند سال بعد انھیں پھر اسی عہدے پر تعینات کردیا گیا (اپریل ۱۹۳۵ء) اور پھر وہ اپنی وفات (۲۲۔ اگست ۱۹۴۵ء) تک الازہر کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔[۵]

محمد مصطفیٰ المراغی علوم دینیہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے اور انھیں عرب ممالک میں ایک دینی مصلح، جید عالم، مفسر اور فقیہ کی حیثیت سے بلند مقام حاصل تھا۔ چنانچہ اسی قدر و منزلت کی وجہ سے انھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ایک ایسا وفد تشکیل دیں جو ہندوستان جاکر اچھوتوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرائے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔[۶]

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ اچھوتوں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کے لیے کون سا لائحہ عمل سود مند ثابت ہوگا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ مصری وفد کو ہندوستان بھیجنے سے قبل وہاں کی نامور علمی شخصیات سے رابطہ قائم کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ ایسی تجاویز پیش کریں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ وفد اپنے تبلیغی فرائض بطریق احسن انجام دے سکے۔ چنانچہ شیخ الازہر نے اپنے اسی مقصد کے پیش نظر اس دور کی تین شخصیات یعنی علامہ محمد اقبال، نومسلم خالد لطیف گابا اور مولانا شوکت علی کو الگ الگ خطوط روانہ کیے۔

المراغی نے اقبال کے نام جو خط تحریر کیا، وہ عربی میں تھا، لیکن اس کا اصل متن دستیاب نہ ہونے کی صورت میں اس کا جو اُردو ترجمہ اُس دور کے اخبارات میں شائع ہوا، وہی یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

اُمید ہے کہ جناب مکرم و معظم بخیر و عافیت اور اللہ تعالیٰ کے افضال و نعم سے شاد کام و خوش ہنگام ہوں گے۔

گزارش ہے کہ میں نے جریدہ "البلاغ" مصر میں ایک جامع و طویل مقالے کا مطالعہ کیا ہے، جس میں اچھوتوں کی اس کانفرنس کا تذکرہ ہے، جس میں انھوں نے دین بت پرستی کو ترک کرنے اور کوئی مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جناب مکرم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ وہ زریں موقع ہے کہ جس کو اسلام بلکہ تمام ادیان و مذاہب کی تاریخ میں دوبارہ دستیاب ہونا تدرت کا حکم رکھتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کمر ہمت کو چست کر لیں اور جد و جہد کی آستینوں کو چڑھا لیں اور ان لوگوں کو اسلام کے مقدس و متبرک ایوان میں داخل کرنے کے لیے جو کوششیں بھی ان کی قدرت میں ہوں، کر ڈالیں۔ اسلام وہ فطری مذہب ہے کہ رواداری، سادگی اور موافقتِ جمہور کے مسئلے میں کوئی مذہب اس کا مثیل نہیں بن سکتا۔ یہی وہ مذہب ہے کہ اللہ کے سامنے اور عدل و انصاف کے سامنے اپنے ماننے والوں کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت

حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ اسلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان نسب و قرابت کے کوئی وجوہ حائل نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے نزدیک وہی بندہ سب سے زیادہ مہذب ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان میں ایسی اسلامی جماعتیں موجود ہیں، جن میں بہترین علما اور قابلِ ترین مناظر و مبلغ موجود ہیں اور اُمید ہے کہ وہ اس راہ میں جو کہ سچے جہاد کی راہ ہے، قابلِ تحسین اقدام شروع کر دیں گے۔ بایں ہمہ اگر آنجناب پسند کریں تو ازہر بھی اس جہادِ اکبر میں حصّہ لے اور اپنے علما اور قابل ترین مناظرین کا وفد ہندوستان کی طرف بھیجے جو اس کی جدوجہد میں برادرانِ ملتِ اسلامیہ ہند کا ہاتھ بٹائے۔

اگر جناب کا جواب اثبات میں ہو تو فرمائیے کہ ارکان وفد کیسے ہونے چاہییں اور کیا یہ ضروری ہے کہ ان ارکان کے ساتھ ایسے ترجمان ہوں جو ان کی تقریروں کا ترجمہ کریں یا ہندوستان ہی سے ایسے آدمی مل سکیں گے جو عربی اور انگریزی دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے ترجمان کا کام اچھی طرح کر سکیں"۔[۹]

شیخ الازہر کا یہ خط ملتے ہی اقبال نے سب سے پہلے اپنے دیرینہ دوست غلام بھیک نیرنگ سے رابطہ قائم کیا اور ان سے رائے طلب کی۔ چنانچہ یکم جولائی ۱۹۳۶ء کو اقبال نے نیرنگ کو یہ خط ارسال کیا:

"مجھ سے شیخ الازہر صاحب نے مشورہ طلب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس وفد کے متعلق آپ ضروری ہدایات دیں۔ مہربانی کر کے آپ لکھیں کہ ان کو کیا مشورہ دیا جائے۔ بعض باتیں میرے خیال میں ہیں، مگر میں آپ کی رائے بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس وفد کے ہمراہ ملک کا دورہ بطور پروپیگنڈا سیکریٹری کے کریں۔ اس سے بہت اچھے نتائج نکلیں گے اور وفد کو آپ کی معلومات کے امیال و عواطف سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔"[۱۰]

اقبال کی فرمائش پر نیرنگ نے اپنی تجاویز پیش کر دیں اور ساتھ ہی ان مشکلات کا بھی ذکر کر دیا، جو اس وفد کے مقصد کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر سکتی تھیں۔ ممکن ہے، نیرنگ نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہو کہ مصری وفد کے ہندوستان آنے سے خاطر خواہ نتائج متوقع نہیں ہیں۔ چنانچہ اقبال نے فوراً نیرنگ کے موقف کو درست مانتے ہوئے پھر بھی اس وفد کی آمد کو مسلمانوں کے لیے مفید قرار دیا۔ ان کے خط (بنام نیرنگ بلا تاریخ، اندازاً جولائی ۱۹۳۶ء) کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"آپ کا خط عین انتظار میں ملا۔ یہ تمام مشکلات میرے ذہن میں تھیں جو آپ نے خط میں لکھی ہیں۔ باوجود ان کے میرا خیال تھا کہ ان کا ہندوستان آنا عام طور پر اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر اور نیز خود مسلمانوں پر اچھا اثر ڈالے گا۔ ان کے آنے سے مسلمانوں کے تبلیغی جوش میں اضافہ ہونا بہت ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر عام اسلامی اخوت کا اثر پڑے گا۔ اس واسطے میرا خیال ہے کہ ان کو تمام مشکلات سے آگاہ کر دیا جائے اور جو فوائد ان کے وفد سے ممکن ہیں، ان کا بھی ذکر کر دیا جائے اور فیصلہ ان پر چھوڑ دیا جائے۔"[۱۱]

اقبال نے شیخ الازہر کا خط ۲، جولائی ۱۹۳۶ء کے روزنامہ "احسان" میں شائع کرا دیا اور اسی روز انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کو ایسے مترجمین مہیا کرنے کے بارے میں خط لکھا، جو مصری وفد کے ارکان کی تقریروں کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کر سکیں۔

علامہ اقبال نے غلام بھیک نیرنگ کی مفصل تجاویز اور انجمن حمایت اسلام کے ارباب بست وکشاد کے فیصلوں کی روشنی میں شیخ الازہر کو ایک طویل مکتوب روانہ کیا۔ حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خط کا سنہ تحریر کیا ہے۔ البتہ اس کا جو خلاصہ قاہرہ کے اخبار "البلاغ" میں شائع ہوا (بابت ۲۵، جولائی ۱۹۳۶ء) اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اقبال نے وسط جولائی میں یہ مراسلہ بھجوایا ہوگا۔ اقبال کے اس خط

کا ملخص پہلی بار بشیر احمد ڈار مرحوم نے مختصر تعارف کے ساتھ شائع کرایا [۱۲] اسی خلاصے کا اردو ترجمہ اُسی سال یعنی ۱۹۳۶ء ہی میں "انقلاب" ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ یہی خلاصہ اب تک اقبال کے مکاتیب اور تحریروں کے مجموعوں میں شامل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب پہلی بار سطور ذیل میں علامہ اقبال کے مکتوب گرامی بنام شیخ محمد مصطفیٰ المراغی کا مکمل متن منظرِ عام پر لایا جارہا ہے۔

شیخ الازہر حضرت شیخ مصطفیٰ المراغی کے نام علامہ اقبال کے خط کا مکمل متن۔

Your reverence : I received your esteemed letter and ask to be excused for the delay in answering it. Since it involved some necessary enquiries on my part before writing, I have applied to some of the Islamic societies and some of the more important educational societies of India, and I am now in a position to reply to you on the points on which you consulted me.

It was a noble thought of yours to propose sending an Egyptian mission to India. For Islam in India moves on with hastening footsteps. And I have no doubt that the embracing of Islam by the outcastes will be an exceptional opportunity in Indian history and one with a great influence on the future history of Islam throughout Asia. It is not only outcastes who are entering Islam; there is also a movement, even if it is slow, on the part of the higher ranks of Indian society. No doubt you read in the Indian newspapers that the son of Mahatma Gandhi has actually become a Muslim. Never a week passes but some member of the higher castes of India enters Islam in some Indian mosque.

It is very clear to me that a great opportunity is before Islam in India. And it seems as if this opportunity is calling out hitherto undreamed of powers in the Indian Muslim community.

As for the matter of the outcastes, there is one hindrance almost impossible to overcome, which is that the greater number of these outcastes live in the south of India and speak six different languages, none of which are really capable of expressing the highest religious thought. Hence your Reverence will understand the difficulty of finding interpreters able to pass on the massage of your delegation in the language of the outcastes. So far, our Indian Islamic societies have not found a solution for this problem, and it would of course be impossible to make a success of evangelistic work except through the help of our Indian Muslim societies.

I have taken the advice of two of the largest Islamic societies in India, who assured me that they would do everything in their power to help such a mission from the Azhar, but this does not dispel the difficulty I have already explained.

My opinion, then , is that the visit of an Egyptian mission to India would be beneficial to the Islamic movement in India, and would quicken the activities of Muslim societies in this land, and would reveal to the higher classes the true spiritual brotherhood of Muslims, and the spread of Islam into all parts of the world. If in spite of the difficulties which I have mentioned, you still think of sending a mission to India, I should like to make the following proposals :-

1. The mission must consist of 'ulama who are well informed and able to set forth Islam in the light of modern ideas and modern experience. They must have information and figures showing how Islam has raised the pagans of Africa to a civilized status.

2. It is necessary that during their stay in India and their travels in the country the mission should live in a manner which benefits the good reputation of the Muslims in Egypt.

3. It is necessary that secretary should be attached to mission who would secure invitations for its work in different Muslim towns.

4. On its return to Egypt the mission should take with it a number of young converts to Islam from the outcastes to be trained in the Azhar, and to spend sufficient time there to become really capable exponents of Islamic life and thought, thus fulfilling the saying of the converts of old, 'I was once a Kurd, now I am an Arab'. These, as you will have perceived, will be leaders in Islamic societies on their return to India, as we have seen in the case of non-Islamic societies.

5. I consider that it would be wise before the mission leaves Egypt to get into touch with Maulvi[13] Sayyid Ghulam Bheek Nairang the lawyer in the city of Anbala. He is a member of the Indian parliament and secretary of the principal Islamic society of India, and has written to me that he is willing to help the mission to the best of his ability.

It is not necessary for me to tell you that if you do send a mission to India they will have a warm welcome from their Indian Muslim brothers. The Muslim community everywhere, as your Reverence knows, is waking up to the spiritual brotherhood which distinguishes Islam. The Muslims of India are deeply concerned to bring the ourcastes into Islam and are found by the orders of their religion to do so. Alas, the rich among them, unfortunately, for various reasons which I need not specify, care very little for the affairs[14] of Islam.

علامہ اقبال کا شیخ الازہر کے نام یہ مکتوب جولائی ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا اور اسے بعد میں شیخ الازہر کے خط بنام اقبال سمیت مصر کے اخبارات میں بھی شائع کرا دیا گیا۔

اس سے اگلے ماہ یعنی اگست میں دہلی کے انگریزی روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" نے یہ دونوں مراسلات شائع کر دیے اور ساتھ ہی ان خطوط کے مندرجات کو بنیاد بنا کر ایک طویل مضمون بھی شائع کر دیا، جس میں اقبال کے اس اقدام پر شدید تنقید کی گئی کہ انھوں نے اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لیے علمائے مصر کی اعانت حاصل کی ہے۔ "ہندوستان ٹائمز" کے اس مضمون نے تمام ہندو پریس میں اقبال کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔

'ہندوستان ٹائمز' کی پیروی میں "تیج" اور "پرتاپ" نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہندو اخبارات کو اقبال سے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ انھوں نے ہندو مت سے تعلق رکھنے والی اتنی بڑی اکثریت کو ہندوؤں سے الگ کرنے کی ترغیب دے کر انھیں سیاسی اور سماجی سطح پر کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید یہ کہ اس مقصد کے لیے انھوں نے مصر جیسے اسلامی ملک کے علما اور اربابِ فکر و نظر کو ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی دعوت دی ہے۔

اقبال کے خلاف ہندو پریس کی مخالفت کے جواب میں مسلم پریس کو آگے آنا پڑا اور مختلف اخبارات و جرائد میں اقبال کی تائید میں خبریں اور مضامین شائع ہونے لگے۔ مثلاً روزنامہ "انقلاب" (بابت ۲۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء) رقم طراز ہے:

"ہندوستان ٹائمز" میں مصر کے ایک انگریزی اخبار کے حوالے سے اچھوتوں کے تبدیلِ مذہب کے سلسلے میں شیخ الازہر اور حضرت علامہ اقبال کی خط و کتابت شائع ہوئی ہے، جسے ہندوؤں نے حسبِ توقع ایسے انداز میں شائع کیا ہے کہ گویا ہندوستان میں اچھوتوں کے تبدیلِ مذہب کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور شیخ الازہر نے مصر سے ایک تبلیغی وفد ہندوستان بھیجنے کی جو تجویز فرمائی ہے، وہ غلط اطلاعات پر مبنی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شائع شدہ تحریرات حضرت شیخ الازہر اور حضرت علامہ اقبال کے حقیقی خیالات و افکار کا کس حد تک صحیح آئینہ ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل مسئلہ بے حد اہم ہے۔ مسلمانانِ ہند کو اس پر خاص توجہ مبذول کرنی چاہیے تھی لیکن افسوس کہ جو کچھ ہونا چاہیے تھا، ابھی تک اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کم از کم

ہندوستان کے اندر آج تک ایسا زریں موقع کبھی نہیں آیا کہ غیر مسلموں کی اتنی بڑی آبادی، جو مسلمانانِ ہند کی موجودہ تعداد کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے، تبدیلِ مذہب کے جذبے سے معمور ہوئی ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ صحیح اسلامی تعلیمات کا عملی پیکر بن کر دوسرے مذاہب کے باشندوں کے لیے سرچشمہ جذب و کشش بنتے۔ وہ اپنے نیک، اچھے اور سچے اسلامی اعمال کے ذریعے سے ہر غیر مسلم قوم کے سامنے سراپا تبلیغِ دینِ قیم بن جاتے، لیکن اُنھوں نے اس فرض سے غفلت برتی۔ آخر قدرت نے خود اچھوتوں کو تبدیلِ مذہب پر آمادہ کر دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا فرض تھا کہ منظم طریق پر دین اسلام کی خوبیاں اچھوتوں پر واضح کرتے اور مختلف حلقوں میں مختلف جماعتیں ضروری اسباب کا انتظام کر کے تبلیغ دین شروع کر دیتیں، لیکن افسوس کہ یہ بندوبست بھی جس پیمانے پر مطلوب تھا، نہ ہو سکا۔ ہمارے نزدیک اس غفلت کے ذمہ دار وہ اکابر ہیں جو سالہا سال سے مسلمانوں کی قیادت کے دعوے دار بنے بیٹھے ہیں، لیکن اُنھوں نے کما حقہٗ اس مسئلہ پر توجہ مبذول کی، نہ کوئی مستقل پروگرام بنایا اور نہ مسلمانوں کو دعوت عمل دی۔ متفرق طریق پر مختلف جماعتیں اور مختلف افراد بے شک جابجا مصروف کار نظر آتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کام کی وسعت و اہمیت جس قوتِ عمل کی محتاج تھی، اس کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ زیادہ تر افراد نے اس کام کو بھی محض اپنی اپنی جماعتوں اور گروہوں کے پروپیگنڈے کا ذریعہ بنا لیا اور اس طرح حصولِ مقصد میں آسانیاں پیدا کرنے کے بجائے حقیقتاً مشکلات پیدا کر لیں۔"[۱۵]

ہندو پریس میں اقبال اور المراغی کی خط و کتابت پر جو مخالفانہ تحریریں شائع ہوئیں، ان کی خبر مصر بھی پہنچی۔ ستمبر ۱۹۳۶ء کے اواخر میں جامعہ ازہر کے شعبہ امور مذہبی کے منتظمین کو یہ اطلاع ملی کہ جو مصری وفد تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان جانے والا ہے، ہندو پریس اور ہندو لیڈر اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں اور اس کو روکنے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کرنے کو تیار ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی شیخ الازہر نے ہندوستان کی سرکردہ مسلمان شخصیات کو خطوط لکھے اور ان سے یہ رائے طلب کی کہ ان حالات میں

مصری وفد کا بھیجنا ٹھیک ہے یا نہیں۔ (بحوالہ "الاہرام"، بابت ۳۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ہندو پریس اور مسلم پریس نیز مختلف سیاسی اور مذہبی تنظیموں میں متذکرہ بالا مراسلت کے حوالے سے جو محاذ آرائی چل پڑی، اس کے پیش نظر علامہ اقبال کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور وہ یہ سوچ کر فکرمند ہو گئے کہ کہیں بات دور تک نہ جا پہنچے اور نتیجتاً اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات متاثر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے اس صورتِ حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد شیخ الازہر کو ایک خط ارسال کیا اور انھیں مصری وفد کو ہندوستان بھیجنے سے منع کر دیا۔ اس اہم خط کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

"اچھوتوں میں تبلیغ کی غرض سے مصری علما کی جماعت کو اس وقت ہندوستان بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے تو ٹھوس کام کی ضرورت ہے، جس کو ہندوستان کے علما ہی انجام دے سکتے ہیں۔ مصری وفد کی ضرورت اس لیے بھی نہیں کہ اچھوت جن زبانوں کو جانتے ہیں، ان سے علمائے مصر واقف نہیں۔ ہم ہندوستان کے مسلمان اچھوتوں میں اطمینان اور سکون کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر مصر سے علما کا وفد آیا تو اس کی وجہ سے ہندو مسلم تعلقات پر ناخوش گوار اثر پڑے گا اور ہمارا حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا۔"[۱۶]

علامہ اقبال نے شیخ الازہر کو مصری وفد ہندوستان بھجوانے سے منع تو کر دیا، لیکن بعض دیگر مسلمان مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے پُرزور اصرار کیا کہ اس وفد کو بھجوانے کا فیصلہ واپس نہ لیا جائے۔ چنانچہ مسلم پریس اور سرکردہ افراد کی یقین دہانیوں پر شیخ الازہر اپنے فیصلے پر قائم رہے اور انھوں نے فی الفور ایک وفد تشکیل دے دیا۔ اس وفد میں جن ارکان کو منتخب کیا گیا ان کا تعلق جامعہ الازہر کے مختلف شعبوں سے تھا۔ وفد ان ارکان پر مشتمل تھا:

۱۔ شیخ ابراہیم الجبالی
۲۔ شیخ عبدالوہاب النجار
۳۔ پروفیسر شیخ العدنی

۴ - شیخ محمد حبیب احمد آفندی

۵ - محمد صلاح الدین النجار (فرزند شیخ عبدالوہاب النجار)

۶ - عبدالعزیز الثعالبی (ان کا تعلق تیونس سے تھا لیکن یہ شیخ الازہر کی خصوصی درخواست پر وفد میں شامل ہوئے تھے)۔

ان ارکان میں سے صرف حبیب احمد آفندی اور محمد صلاح الدین النجار انگریزی جانتے تھے، اسی لیے انہیں بالترتیب سیکریٹری اور جائنٹ سیکریٹری مقرر کیا گیا اور انہی کو ترجمانی کے فرائض بھی سونپے گئے۔

تشکیل وفد کے ساتھ ہی اس کے مقاصد بھی بیان کر دیے گئے، جو درج ذیل ہیں:

۱- اچھوتوں کی زبوں حالی کا جائزہ لینا۔

۲- اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جامعہ ازہر ایک ثقافتی اور مذہبی ادارے کی حیثیت سے کہاں تک معاونت کر سکتا ہے۔

۳- اگر ممکن ہو تو اچھوتوں کے رہنماؤں سے ملاقات۔

۴- مسلمانوں کے رہنماؤں اور دینی تنظیموں کے مابین باہمی یگانگت کو فروغ دینا۔[۱۷]

رئیس وفد نے بمبئی پہنچنے کے دوسرے روز یعنی ۱۲، دسمبر کو غلام بھیک نیرنگ کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ وفد ان سے ملاقات کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر کو نیرنگ صاحب دہلی پہنچے اور چار روز تک وفد سے ان کے مشن کے حوالے سے طویل مذاکرات کرتے رہے۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں نیرنگ لکھتے ہیں:

"چار روز کے مسلسل مکالمات کے بعد رئیس وفد نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں وہ تمام واقعات و خیالات، جو میں بیان اور ظاہر کر چکا ہوں، انگریزی میں لکھ کر دے دوں۔ چنانچہ میں نے بائیس صفحے کی ایک ٹائپ شدہ یادداشت مرتب کر کے وفد کو دے دی۔ اندریں اثنا ایک صاحب نے ناگپور سے وفد کو ایک چٹھی لکھی تھی۔ وفد نے چاہا کہ میں اس چٹھی پر بھی ایک تبصرہ لکھ دوں۔ چنانچہ پانچ صفحے کا ٹائپ شدہ تبصرہ لکھ کر ان کے حوالے کیا گیا۔"[۱۸]

دہلی کے بعد یہ وفد علی گڑھ، رام پور، دیوبند اور پشاور گیا اور بالآخر ۲۳ جنوری ۱۹۳۷ء کو لاہور پہنچا۔[۱۹] دو روز بعد انٹر کالجیٹ برادر ہڈ کی طرف سے وفد کو سپنسر ہوٹل میں دعوتِ چائے پر بلایا گیا۔ میزبان انجمن نے وفد کو علامہ اقبال کی کتابیں بطور تحفہ دیں جسے قبول کرتے ہوئے رئیس وفد نے کہا کہ:

"حضرت علامہ صاحب اس وقت دُنیائے اسلام کے سب سے جلیل القدر فرزند ہیں، جنھوں نے نوجوانانِ اسلام کے قلوب کو (گرما) دیا ہے۔"[۲۰]

اُن دنوں اقبال علیل تھے اور صحت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی مسلسل علالت کے باعث وہ بہت کم گھر سے باہر نکلتے تھے، لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے وفد کے اعزاز میں سپنسر ہوٹل میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں شہر کے چیدہ چیدہ اربابِ علم و دانش کو مدعو کیا گیا۔ مہمانوں میں غلام بھیک نیرنگ بھی شامل تھے۔ کھانے کے بعد ارکانِ وفد، اقبال اور نیرنگ کی طویل نشست ہوئی، جس میں وفد کے ہندوستان آنے کے بعد کی پیش رفت کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اس ملاقات کے بارے میں نیرنگ لکھتے ہیں:

"وفد کے مقصد سے متعلق وفد کی اقبال سے باتیں ہوئیں۔ میں جو کچھ کر چکا تھا، وہ میں نے بیان کیا۔ اقبال نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ اقبال سے جو خاص مشورہ ہوا، اس کی ایک ٹائپ شدہ یادداشت مرتب کر کے میں نے وفد کو دے دی۔"[۲۱]

اقبال کی اس ضیافت میں جن اصحاب نے شرکت کی، کھانے کے بعد ان سب کی ایک تصویر بھی کھینچی گئی۔ یہ تصویر انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ اقبال کی زندگی کی آخری تصویر ہے اور اس میں ان کی خرابیٔ صحت کے آثار واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ نیز یہ آخری اجتماع تھا، جس میں اقبال بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور وہ بھی چھ ماہ کے وقفے کے بعد۔

اس کے بعد انھیں ایسی کسی علمی مجلس میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اس تقریب اور تصویر میں نیرنگ اور نذیر نیازی موجود ہیں، چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لنچ کے بعد ایک گروپ فوٹو لیا گیا۔ جاوید اس فوٹو میں بھی ہیں۔ یہ گروپ ایک نہایت خاص یادگار ہے۔"

"۔۔۔۔ کھانے کے بعد شرکائے دعوت کی تصویر بھی لی گئی، جس میں حضرت علامہ کی تصویر نہایت صاف آئی ہے ۔۔۔۔ میرا خیال ہے، اس کے بعد شاید ان کی کوئی تصویر نہیں لی گئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ۱۹۳۷ء کی اس تصویر کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔" [۲۲]

لاہور میں مصری وفد کی اقبال سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور اس کی آمد کے اصل مقاصد پر سیر حاصل بحث ہوتی رہی۔ یہاں سے فارغ ہو کر وفد واپس دہلی روانہ ہو گیا اور مختلف شہروں سے ہوتا ہوا اور وہاں کے علما اور سیاسی زعما سے تبادلۂ خیالات کرتا ہوا وسط مارچ ۱۹۳۷ء کو واپس مصر چلا گیا۔ اس وفد کی روانگی سے تقریباً تیرہ ماہ بعد اقبال کا انتقال ہوا (۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء) لیکن اس دوران میں وفد کے کسی رکن یا جامعہ الازہر کے ریکٹر نے اُن سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اس وفد سے متعلق معتبر ترین شخصیت غلام بھیک نیرنگ بھی اسی انتظار میں رہے کہ وفد کی سفارشات کے بعد مصری حکومت کیا فیصلہ کرتی ہے، لیکن اُنھیں بھی کوئی خبر نہ ملی۔ بالآخر اُنھوں نے اقبال کی وفات کے چند ماہ بعد جون ۱۹۳۸ء میں وفد کے ایک رکن محمد حبیب احمد آفندی کو خط لکھا اور اس کے جواب میں مکتوب الیہ نے اُنھیں وفد کی تحریر کردہ ع.بی رپورٹ کی ایک کاپی ارسال کر دی، جس میں اُن کی تجاویز سے بھی اتفاق کیا گیا تھا۔ اسی دوران میں جامعہ ازہر کی انتظامی کونسل میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اس وفد کی سفارشات اور اس پر عمل درآمد کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا اور وفد کی تیار کردہ یہ رپورٹ دفتر کی فائلوں کے انبار میں دب کر رہ گئی۔ اقبال کی وفات کے بعد غلام بھیک نیرنگ بھی خاموش ہو گئے، اور یوں اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے دعوے، جوش و خروش اور مسلم پریس کا سارا پروپیگنڈا فضائے آسمانی میں تحلیل ہو کر رہ گیا، اور ہر طرف خاک اڑنے لگی اور علامہ اقبال کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی کہ "اچھوتوں میں تبلیغ کی غرض سے مصری علما کی جماعت کو اس وقت ہندوستان بھیجنے کی ضرورت نہیں، اس کے لیے تو ٹھوس کام کی ضرورت ہے۔"

[رہی یہ بات کہ کیا پس ماندہ اقوام میں تبلیغ کا کوئی "ٹھوس منصوبہ" بنایا گیا، افسوس! کہ یہ ٹھوس کام بھی ہماری غفلت شعاری کا شکار ہوگیا، اقبال نے سچ فرمایا تھا ؎

حمیّت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے]

(ادارہ)

حواشی

ــلــه W.N. Kuber: *B.R. Ambedkar*, 2nd ed., New Delhi, 1990 (1987).

ــٰه رک: C. B. Kheirmode (ڈاکٹر بھیم راؤ جی امبیڈکر چرتر، حصہ اوّل بمبئی ۱۹۵۲ء، حصہ دوم ۱۹۵۸ء) S.R. Kharat: کرم ویر بھاؤ راؤ کراور فادادا صاحب گائیکواڑ یانا ڈاکٹر بابا صاحب آمیڈکرانسی پتر، مطبوعہ پونا، ۱۹۶۱ء

ــٰه *Ambedkarancya sahavasat*, Poona 1961.

ــٰه Shanthi Deva and C.M. Wagh: *Dr. Ambedkar and Conversion*, Hyderabad Deccan 1965.

ــٰه "..... But religion is not like a house or a cloak which can be changed at will. It is more an integral part of one's self than of one's body."

ــٰه رک: الفتح (قاہرہ)، مضمون از بدرالدین الصینی، بحوالہ الجامعۃ العربیہ، یروشلم، بابت ۶ر دسمبر ۱۹۳۵ء -

ــٰه شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی بن محمد بن عبد المنعم کے مختصر حالات زندگی ان کی ایک کتاب "الاجتہاد فی الاسلام" (قاہرہ ۱۳۷۹ھ) کے مرتب محمد عبد اللہ السمان نے قلم بند کیے ہیں اور ساتھ ان کی تصویر بھی دی ہے۔ ان تفصیلات کے مطابق شیخ الازہر ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) کو مصر کے شہر مراغہ میں پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر میں تعلیم مکمل کی اور شیخ محمد عبدہٗ کی مجالسِ علمیہ میں بھی شریک ہوتے رہے۔ مصر

کے متعدد علمی اور دینی اداروں کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں "بحث فی ترجمۃ القرآن الکریم واحکامہا (قاہرہ ۱۹۳۶ء) اور "الدروس الدینیہ" (قاہرہ ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ) قابلِ ذکر ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

محمد حسین الذہبی: التفسیر والمفسرون، جلد سوم، قاہرہ، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۲۵۷-۲۶۰

محمد مصطفی المراغی کے حالات اور علمی آثار سے متعلق رک: انور الجندی، تراجم الاعلام المعاصرین فی العالم الاسلامی، قاہرہ ۱۹۷۰ء، صفحہ ۴۳۱۔

۸ جس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا، اس کی صدارت المراغی نے کی تھی (بحوالہ البلاغ بابت ۲۷ جنوری ۱۹۳۶ء)

۹ "حمایت اسلام" لاہور، ۶ جولائی ۱۹۳۶ء، صفحہ ۵ الف بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام از محمد حنیف شاہد، لاہور ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۳۷-۱۳۸) یہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط وسط جون ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ تحریر کیا گیا۔ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کو جو خط لکھا (بابت ۲، جولائی ۱۹۳۶ء) اس کی ابتدا کچھ یوں ہے: "شیخ مراغی جامعہ ازہر قاہرہ کا خط میرے نام آیا جو آج کے اخبار "احسان" میں بھی شائع ہو گیا ہے۔"

۱۰ اقبال کے بعض حالات از نیرنگ (رک: مطالعہ اقبال، مرتبہ گوہر نوشاہی، لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۴۱-۴۲)۔

۱۱ ایضاً، صفحہ ۴۲۔ اس خط کے بعد مکتوب الیہ رقم طراز ہے: "اس کے بعد مجھ کو اقبال کا کوئی اور خط اس سلسلے میں نہیں ملا، مگر یہ قرار پا چکا تھا کہ اقبال، شیخ جامعۃ الازہر کو میرے بارے میں لکھ دیں گے۔ انھوں نے ضرور لکھا ہو گا۔ میں نے اقبال کو اطمینان دلایا تھا کہ میں وفد کو ہر امکانی امداد دوں گا۔"

۱۲ Letters and Writings of Iqbal. Compiled and edited by B.A. Dar, Karachi, 1967, pp. 83-85.

۱۳ (۱۸۷۵ء-۱۹۵۲ء) اقبال کے دیرینہ رفیق۔ انھوں نے "اقبال کے بعض حالات" کے

عنوان سے ایک اہم معلوماتی مضمون تحریر کیا تھا (دیکھیے سطور بالا)۔ شعر کہتے تھے اور ان کا ایک مجموعہ شاعری "کلام نیرنگ" کے نام کے تحت شائع ہو چکا ہے (طبع اوّل ۱۹۷۰ء، طبع سوم مع غیر مدون کلام، مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل، کراچی ۱۹۸۳ء)

نیرنگ نے ۱۹۲۳ء میں انبالہ میں "جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام" کی بنیاد رکھی۔ اقبال نے مختلف مشائخ، علما اور معززین سے اس جمعیت کے ساتھ تعاون کی اپیل کی تھی۔

ابتدائی عمر میں سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی کے مرید ہو گئے۔ انھوں نے اپنے مرشد کے فارسی، اردو اور ہندی کلام کو چھپوایا اور اس کے شروع میں مقدمہ بھی تحریر کیا۔ یہ مجموعہ "تحائف اشرفی" کے عنوان سے شائع ہوا (طبع ثانی، درگاہ کچھوچھہ ضلع فیض آباد، ۱۹۹۰ء، 'مقدمہ نیرنگ' صفحہ ۴۰-۴۸) نیرنگ کے سوانح حیات، نیز ان کی شعری اور تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں رک:

کلام نیرنگ (محولہ بالا) مقدمہ مرتب، صفحہ ۹-۴۴۔ حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں از محمد عبداللہ قریشی، لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۹-۱۱۱۔ سید جعفر طالب: میر غلام بھیک نیرنگ اور ان کی شاعری (قومی زبان، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۱۱۶-۱۱۷)۔ ڈاکٹر انور سدید: میر غلام بھیک نیرنگ (ہفت روزہ "چٹان"، بابت ۱۱ جولائی ۱۹۸۳ء)

۱۴ھ اقبال کے خط کا یہ مکمل متن قاہرہ کے اخبار "الاہرام" سے منقول ہے (بابت ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء)

۱۵ھ بحوالہ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، صفحہ ۳۶۶-۳۶۷

مزید دیکھیے: "حمایت اسلام" بابت یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام، متذکرہ بالا، صفحہ ۱۳۹-۱۴۱۔

۱۶ھ بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام، صفحہ ۱۳۹۔ علامہ اقبال کا یہ خط مصر کے اخبار "البلاغ" میں شائع ہوا تھا (بابت ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

۱۷ھ بحوالہ "البلاغ" بابت ۳۰ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۳۶ء

وفد کے مقاصد کے بارے میں غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں کہ "اخباروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وفد نے اپنا مقصد ہندوستان کے مسلم اداراتِ تعلیم

کا معائنہ اور مطالعہ اور مسلمانانِ ہند سے ثقافتی CULTURAL تعلقات قائم کرنا بیان کیا ہے۔ دہلی میں ملاقات ہونے پر معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے تبلیغی مقصد کو سب سے راز میں رکھا ہے اور اس بارے میں مجھے اور اقبال سے بصیغہ راز مبادلۂ خیالات اور اخذ معلومات کریں گے" (اقبال کے بعض حالات، محولہ بالا، صفحہ ۴۳)۔

۱۸ے اقبال کے بعض حالات، محولہ بالا، صفحہ ۴۴۔

۱۹ے بحوالہ انقلاب، بابت ۲۷ر جنوری ۱۹۳۷ء

۲۰ے بحوالہ ایضاً، (رک: حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، محولہ بالا، صفحہ ۵۰۹)

۲۱ے علامہ اقبال سید نذیر نیازی مرحوم کو اپنے مکتوبات (بابت ۲۳ر جنوری ۱۹۳۷ء) میں یوں مدعو کرتے ہیں:

"مصر کے علما آج آگئے ہیں۔ میں نے ان کو ۲۷ر جنوری بروز بدھ ڈیڑھ دو بجے دوپہر لنچ دیا ہے۔ آپ مع راجہ حسن اختر صاحب ضرور آئیں۔ لنچ سپنسر ہوٹل (منٹگمری روڈ) میں ہوگا، جو آپ کی جگہ سے قریب ہے۔" (مکتوباتِ اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی، کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۳۳۱)

۲۲ے مکتوباتِ اقبال، مذکورہ بالا، صفحہ ۳۶۱